پروفیسر میاں انعام الرحمٰن

اظہاری رویے میں تخیل کی اہمیت

عصر حاضر کے اظہاری رویوں میں عکاسی کا تغلب، شاذ اچھائیوں کے باوجود منفی میلانات کا حامل ہے۔ عکاسی اپنے مجموعی اثرات کے لحاظ سے انسانی فطرت کی سنگ دلی کو شدید تر کرتی ہے۔ بالخصوص سکرین پر مشتہر کیا گیا معاشرے کی اندرونی کشمکش کا عکس گری کے ذریعے اظہار، بوجوہ انتہائی نقصان دہ ہے۔ کیونکہ بعض ایسے امور جو ہم معمول کی زندگی میں دیکھتے ہیں یا ان کے تجربے سے گزرتے ہیں، ہمیں کسی قسم کے مستقل اضطراب سے دو چار نہیں کرتے۔ ان کے منفی اثرات کے نقوش طویل المدت نہیں ہوتے۔ ہم بہت جلد ایسی اضطرابی کیفیت سے چھٹکارا پا لیتے ہیں۔ ہماری شخصیت کا باطن، خارج کی ان یورشی دستکوں کے مقابل مدافعتی رویہ اپنا کر انہیں تہہ وبالا کر دیتا ہے۔ ایسا وقتی اضطراب "نسیتا" ہمارے اعصاب اور شعور کو توانائی اور پختگی بخشتا ہے۔

لیکن سکرین پر دکھایا گیا عکاسی کا رویہ کشش رکھتا ہے۔ ہیجان خیزی کو ہوا دیتا ہے۔ ہمارا داخلی اضطراب، ایسے لمحوں میں ٹھاٹھیں مارتا ابھرتا ہے اور ہمارے ذہن وشعور پر ان مٹ نقوش ثبت کر دیتا ہے۔ ایسے نقوش کا مستقل، دیرپا اور موثر ہونا سکرین کے "حجاب یا بالواسطگی" کی بدولت ہے۔ اس بالواسطگی کی پیدا کردہ کشش سے ہم اپنی روز مرہ زندگی کو سکرین جیسی تزئین سے آراستہ کرنے کا رجحان اپنا لیتے ہیں۔ سکرین پر عکاسی کا مروجہ اظہار ہمارے سماجی رویوں کے انحطاط کا بنیادی سبب ہے۔ ایسی عکس گری سطحیت کو فروغ دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ سچائی ہمارے داخلی وجود سے اپنے نقوش وار تسلمات چھوڑے جا رہی ہے کیونکہ عکاسی، زندگی کی کلی تفہیم کا ذریعہ نہیں۔ عکاسی سچائی کے مترادف نہیں۔ عکس گری کا موجودہ رویہ جس قسم کی واقعیت پسندی کو معاشرے میں رائج کرتا ہے، اس سے انسان واقعات کی زد میں آیا ہوا ذرہ بن کر رہ جاتا ہے اور وہ ذرہ بغیر کوئی تخلیق کیے، بغیر کوئی یادگار چھوڑے معدوم ہو جاتا ہے۔ یوں عکاسی امیدوں کا مدفن بن جاتی ہے اور امکانات کو فنا کر دیتی ہے۔

تجزیاتی بصیرت پر مبنی معاشرتی عکاسی کی اہمیت سے بھی مفر ممکن نہیں۔ لیکن عکاسی کا وسیلہ صرف تحریر کو ہونا چاہیے، تحریر بھی ایسی جو لفظی تطہیر سے آراستہ ہو کر معاشرتی برائیوں کی سنگینی سے روشناس کرا سکے۔ بے لباس الفاظ ایسے لوگوں کے لیے "چسکے" کا باعث بنتے ہیں جن کی ذہنی و اخلاقی سطح پست ہوتی ہے۔ تاریخی ادراک پر مبنی عکاسی کا تحریری اظہار معاشرے کے باشعور طبقے کو مروجہ مسائل کے بنیادی سوالوں کی شناخت کراتا ہے اور وہ ایسی آگہی وباخبری کو سنجیدگی سے لیتے ہیں۔ غیر سنجیدہ لوگوں کی عکاسی کے ادب تک رسائی (اور وہ بھی ایسا جو ملفوف نہ ہو) معاشرتی انحطاط کے عمل کو تیز تر کر دیتی ہے کہ وہ اسی انداز سے سوچنے اور عمل کرنے لگ جاتے ہیں اور عکس گری حقائق کی (Distorton) بن کر رہ جاتی ہے۔

فنون لطیفہ اور ادب میں عکاسی کے رویے ہی نے تیسری دنیا کے تعلیم یافتہ طبقے کو سیاسی نظام کے طور پر جمہوری نظریہ سے متعارف کرایا ہے۔ جہاں تک جمہوریت کے خارجی مظہر (سیاسی جماعتیں، الیکشن، حزب اقتدار، حزب اختلاف وغیرہ) کا تعلق ہے، تیسری دنیا کے بہت سے ممالک بشمول پاکستان، بارہا اس تجربے سے گزرے ہیں لیکن جمہوریت اپنے مثبت نتائج واثرات دینے سے قاصر رہی ہے۔ ایسا ہی مغرب کے لیے بھی سچ ہے کیونکہ جمہوریت اپنے نظری پہلو میں "مساوات" سموئے ہوئے ہے۔ یہ مساوات مغرب کے ترقی یافتہ جمہوری ممالک میں بھی کہیں نظر نہیں آتی۔ کیونکہ اجارہ داریاں ہیں، فریب ہیں، گروپ بندیاں ہیں، ریاست کے اندر بھی، اور ریاستوں کے مابین بھی۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ سیاسی فکر نے جمہوریت کے خارجی مظہر کو اپنا منتہائے مقصود تسلیم کر لیا ہے۔ End of History ایسی ہی تسلیمیت کا اظہار ہے۔ مشہور مفکر روسو، جس کی روحانیت، جمہوری قدروں کے فروغ کا باعث بنی، اپنی شہرہ آفاق تصنیف "معاہدہ عمرانی" میں خود تسلیم کرتا ہے کہ "حقیقی جمہوری حکومت" نہ کبھی قائم ہوئی ہے نہ ہوگی۔ ایسا کہتے ہوئے روسو کی دور اندیش نظروں نے یقیناً بھانپ لیا تھا کہ جمہوریت نظری پہلو سے قطع نظر، خارجی مظہر کی حد تک اثر ونفوذ پا سکے گی۔ سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ اس کا حل کیا ہے؟

میرے ذاتی نقطہ نظر کے مطابق، جمہوریت اپنے پس منظر کے ساتھ گواہ ہے کہ وہ انسان کے "شعوری تسلسل" کو دو مختلف انداز سے توڑنے کا باعث بنی ہے۔

۱۔ ایک تو یہ کہ انسان نے زینہ بہ زینہ فکری سفر کرنے کی بجائے جست لگانے کی کوشش کی ہے (بالخصوص تیسری دنیا کے انسان نے) اس جست کا پیدا کردہ خلا، انسان کے تمام مسائل اپنے اندر سموئے ہوئے ہے کہ ہمارے اپنے ملک پاکستان میں جمہوریت کی آمد در حقیقت ایک لمبی جست ہے۔ اور پھر ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ اس جست سے قائم کی گئی جمہوریت فوراً

ہی مغربی ممالک جیسے فوائد سے ہم کنار کر دے گی۔ (اگرچہ خارجی مظہر کی حد تک) لیکن جب ہم موازنے میں اپنی جمہوریت کو صرف "لینے والی" دیکھتے ہیں جو دیتی کچھ نہیں تو اس خارجی مظہر کو بھی (جو اصل صورت میں نافذ نہیں) لپیٹنے کی سعی تام کرتے ہیں۔ حال ہی میں ہم نے ایسا کیا ہے۔ اگرچہ خارجی مظہر، حقیقی جمہوریت کا ایک پہلو ہے، لیکن اس تک رسائی بھی بتدریج ارتقائی انداز میں ہو سکتی ہے۔ حقیقی جمہوریت تو ایک لمبے ارتقاء کا مطالبہ کرتی ہے۔ پاکستان جیسے ملک میں محدود شرح خواندگی اور مخصوص معاشرتی حالات کے تناظر میں یہ ارتقاء کچھ اس طرح ہوگا۔

۱۔ پہلے الیکشن کے بعد سے پندرہ سال تک۔ اسے ہم ماقبل جمہوریت کا مرحلہ Pre-Democratic Phase کہہ سکتے ہیں۔

۲۔ دوسرے مرحلے پر مزید پندرہ سال، اس ہم جمہوریت کی جانب پیش قدمی Initiative to Democracy کہہ سکتے ہیں۔

۳۔ تیسرے مرحلے پر ہم جمہوریت کے خارجی مظہر کو پا سکتے ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ الیکشن مسلسل ہوتے رہیں۔

پاکستان میں عملی صورت حال کچھ اس طرح ہے کہ ابھی ہم پہلے مرحلے سے نہیں نکلتے کہ مارشل لاء لگ جاتا ہے۔ اور پھر مارشل لاء کے بعد دوبارہ پہلے مرحلے میں ہی داخل ہوتے ہیں۔ یوں جمہوریت، خارجی مظہر کی حد تک بھی پاکستان میں قدم نہیں جما سکی۔ اس کی وجہ نظام کی ناکامی نہیں، ہماری عجلت پسندی ہے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ مغرب کے انسان نے جمہوریت کے خارجی مظہر تک رسائی اگرچہ اپنے تخیلی شعور سے کی ہے کیونکہ مغرب کے سامنے کوئی "پہلی دنیا" نہیں تھی جہاں سے وہ اس خارجی مظہر کو مستعار لیتا۔ پھر بھی مغرب کا انسان بنفسہ کامیاب نہیں ہو سکا۔ مغرب کے تخیلی رویے کی راہ بھی، جمہوریت کے خارجی مظہر کے حصول کے بعد مسدود ہو چکی ہے۔ مغرب اسی خارجی مظہر کو فکری تسلسل کا مقصود ٹھہراتا ہے۔

حقیقی جمہوریت ایسے نظام کو کہتے ہیں جس میں تمام افراد کی حیثیت برابر ہو۔ کوئی فرد یا ادارہ مقتدر قوت کا حامل نہ ہو کہ مساوات کو گزند پہنچے۔ لیکن عملاً ہوتا یہ ہے کہ عوام میں پھیلا ہوا اختیار یا اقتدار، عوام کے نام پر، چند افراد استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کیونکہ کثرت قدرتی طور پر وحدت میں ڈھلنے کا رجحان رکھتی ہے اور اقتدار واختیارات ایک نقطہ پر جمع ہونے کا میلان رکھتے ہیں۔ ایسی مصنوعی وحدت کو جو مساوات کے منافی ہے، حقیقی جمہوریت کے منافی ہے، پارہ پارہ کرنے کے لیے "علیحدگی اختیارات" کا نظام اپنایا جاتا ہے اور کبھی تکثیری عاملہ کا۔ لیکن بات وہی ہے کہ کثرت، وحدت کی طرف میلان رکھتی ہے اور اختیارات کا ارتکاز کسی فرد یا ادارے میں ہو جاتا ہے جس سے جمہوریت، خارجی مظہر کے طور پر موجود ہونے کے باوجود، اصلی سپرٹ سے محروم رہتی ہے۔ اب پارلیمانی

بقیہ صفحہ ۸ پر

☆ بقیہ: تعارف وتبصرہ ☆

میراث کا حساب

محترم جناب سید شبیر احمد کاکاخیل مدیر فنی امور عالمی ادارہ تسہیل الحسابات الاسلامیہ ۵۹۳/۲۹ اللہ آباد ویسٹرج راولپنڈی نے اس کتابچہ میں وراثت سے متعلقہ شرعی مسائل اور ان کے حسابات کو اردو میں اچھے انداز میں مرتب کر دیا ہے جو اس مشکل اور پیچیدہ فن کے طلبہ اور اساتذہ کے ساتھ ساتھ مفتیان کرام کے لیے بھی بہت مفید ہے۔ ایک سو صفحات پر مشتمل اس کتابچہ کی قیمت تیس روپے ہے اور مندرجہ بالا پتہ سے مل سکتا ہے۔

بشارت عیسیٰؑ

حضرت مولانا بشیر احمد حسینی ہمارے ملک کے معروف محقق ہیں جو ایک عرصہ سے مسیحیت کے مطالعہ وتحقیق کی خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔ اس وقت ان کے دو کتابچے ہمارے پیش نظر ہیں۔ ایک "بشارت عیسیٰ علیہ السلام" کے نام سے ہے جس میں جناب نبی اکرم ﷺ کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اس سلسلہ میں انجیل یوحنا کی شہادت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے جبکہ دوسرا رسالہ "محمدیم کون ہے؟" کے نام سے ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی بشارت اور اس حوالہ سے عبرانی بائبل کی شہادت پر محققانہ تبصرہ کیا گیا ہے۔ اول الذکر رسالہ کے صفحات تقریباً دو سو اور قیمت ۴۵ روپے ہے جبکہ ثانی الذکر رسالہ ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے اور قیمت ۳۵ روپے ہے، دونوں رسالے مصنف محترم سے جامع مسجد حسینی شور کوٹ چھاؤنی ضلع جھنگ کے پتہ پر طلب کیے جا سکتے ہیں۔

متاع نور

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی قدس اللہ سرہ العزیز کے داماد اور رفیق کار حضرت مولانا نور احمد مرحوم اپنے دور کے سرگرم علماء کرام میں سے تھے جنہوں نے علمی اور سیاسی دونوں میدانوں میں مسلسل تگ ودو کی ہے اور نفاذ اسلام کی جدوجہد میں بھی شریک رہے ہیں۔ ان کے حالات زندگی اور خدمات کو مولانا رشید اشرف سیفی نے بڑی محنت کے ساتھ "متاع نور" کے نام سے مرتب کیا ہے اور ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ ۴۳۷ گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک کراچی ۵ نے خوبصورت جلد، عمدہ کاغذ اور معیاری کتابت وطباعت کے ساتھ انتہائی باذوق انداز میں پیش کیا ہے۔ صفحات ساڑھے چار سو سے زیادہ ہیں اور قیمت درج نہیں ہے۔